رجسٹرڈ نمبر آصفیہ (۱۸۰)

شرح چندہ
سالانہ . . . . . .
ششماہی . . . . . .

قیمت پرانا پرچہ (۴)

ہفتہ وار
مملکت

ایڈیٹر:- میر حسن الدین
مینیجنگ ایڈیٹر:- سید بدر حسین

رجسٹرڈ نمبر آصفیہ (۱۸۰)

شرح چندہ
سالانہ . . . . . .
ششماہی . . . . . .

قیمت فی پرچہ (۴)

جلد (۹) | ۴ آبان ۱۳۵۸ ف | ۱۰ ذیقعدہ ۱۳۶۸ھ روز یکشنبہ | ۴ ستمبر ۱۹۴۹ء | نمبر (۲۱)

قومی زبان کا مسئلہ

وسعت نظر کی ضرورت

قومی زبان کے مسئلہ پر کانگریس کی پچھلی قرار دادوں اور مہاتما گاندھی کے بیانات کی روشنی میں کوئی شبہ نہیں ہونا چاہیئے تاہم معلوم ہوتا ہے کہ دستور سازی کے اس اہم اور نازک موقع پر کانگریس ہائی کمانڈ بھی ایک ذہنی انتشار میں مبتلا ہے۔

کانگریس ہائی کمانڈ اس وقت حکمران جماعت کی حیثیت سے ہندوستان کی آئندہ قسمتوں کی مالک ہے اس کو جو بھی فیصلے اس وقت کرنے ہوں گے وہ سوچ سمجھ کر کرنے ہوں گے۔ کیونکہ اس کے فیصلے ملک کے مستقبل کو آئندہ نسلوں کی قومی تعمیر پر اثر انداز ہوں گے۔

ان فیصلوں میں قومی زبان کا مسئلہ بہت اہمیت رکھتا ہے کیونکہ اس سے عوام کی ذہنی اور فکری ترقی وابستہ ہے۔ اس کو فرقہ وارانہ جذبات اور تعصب کی اسپرٹ میں حل نہیں کیا جاسکتا مگر بدقسمتی سے اکثریت والی جماعت کے بارسوخ اور ذی اثر طبقہ میں اس مسئلہ کو مذہبی اور فرقہ وارانہ تعصب کی عینک سے دیکھنے کی کوشش کی جارہی ہے اور آزادانہ کہا جارہا ہے کہ تقسیم ہند کے بعد زبان کا کوئی جھگڑا نہیں رہا۔ اب ملک کی قومی زبان ہندی معہ ناگری رسم الخط کے ہونی چاہیئے کیونکہ اس کے خلاف صرف اسی طبقہ سے آواز مخالفت جاری تھی جس نے تقسیم ہند کا مطالبہ کیا تھا۔ مگر اب چونکہ یہ طبقہ منظر سے ہٹ چکا ہے لہٰذا ہندی کے نفاذ میں کسی قسم کی مزاحمت نہیں ہونی چاہیئے۔ اگر اس قسم کا مطالبہ آر۔ ایس۔ ایس یا ہندو سبھا کی جانب سے کیا جائے تو یہ سمجھ میں آسکتا ہے کانگریس کی صفوں میں سے اس قسم کا مطالبہ کرنا کانگریس کے دعاوی اس کی روایات اور اس کی معینہ پالیسی کی نفی کرنا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کانگریس کے ترقی پسند عناصر پنڈت جواہر لال نہرو اور ڈاکٹر راجندر پرشاد کی زیر قیادت اس قسم کے مجنونانہ رجحانات کی مخالفت کر رہے ہیں اور زبان کے مسئلہ میں کانگریس کی اعلان کردہ پالیسی پر قائم رہنا چاہتے ہیں۔ بہ الفاظ دیگر ڈاکٹر راجندر پرشاد کی زبان میں صرف وہ زبان جو شمالی ہند میں بولی اور سمجھی جاتی ہے سارے ہندوستان کی زبان ہونے کا دعویٰ کرسکتی ہے۔ اگر اور کچھ نہیں تو کم از کم اس لحاظ سے بھی وہ دعویٰ کرسکتی ہے کہ کثیر التعداد لوگ اس کو سمجھ سکتے ہیں۔ ہندوستان کی قومی زندگی کے مختلف عناصر کے صدیوں کے اثرات کی بدولت یہ زبان اس وقت ہندوستان میں پائی جاتی ہے۔ مختلف مذاہب، کلچر، اور طرز فکر کے دھاروں کا سنگم اس زبان میں موجود ہے۔ اس کی تخلیق، ترویج اور ترقی تاریخ کے قدرتی اصولوں کے تحت عمل میں آئی ہے۔ اس زبان کو مٹا کر ایک خاص فرقہ، مذہب، اور کلچر کے ایک مخصوص فکر والے طبقہ کے تعصب کے مطابق کسی نئی زبان کی داغ بیل ڈالنا تاریخ کو پیچھے کی طرف لوٹانے کے مترادف ہے۔ اس سے ملک کی ذہنی و فکری ترقی کو جو نقصان پہنچے گا وہ ظاہر ہے۔ مذکورہ طبقہ جس قوم کی زبان ملک پر مسلط کرنا چاہتا ہے اگر وہ کوئی نئی بنائی زبان ہوتی تو ایک بات بھی تھی مگر وہ سمجھتے ہیں کہ اس موڑ پر ایک نئی زبان کو قومی زبان کی حیثیت سے ٹھونسنے کی کوشش کر رہا ہے۔ ڈاکٹر راجندر پرشاد نے بالکل صحیح کہا کہ ملک کی تنظیمی صورت میں کوئی زبان عوام کے کثیر حصہ پر بزور دستی مسلط نہیں کی جاسکتی۔ یہ بھی قیاس سے بعید ہے کہ کسی زبان کی آئندہ ترقی کے لئے مخصوص قواعد مرتب کئے جائیں اگر یہ زبان زندہ جاوید اور ترقی پذیر ہو تو اس کو کسی ایسے حدود کے اندر نہیں رکھا جاسکتا جو ایک نسل کے لوگ چاہیں گے۔ خود شمالی ہندوستان کی وہ زبان جس کا تذکرہ ڈاکٹر راجندر پرشاد نے کیا ہے اور جس کو اردو کہتے ہیں اوپر سے مسلط نہیں کی گئی۔ مغل دور میں جس کے دوران میں یہ زبان جڑ پکڑ گئی بادشاہ نے اور نہ کسی حکومت نے اس کو تسلیم کیا یہ جائیکہ اس کو زبردستی حکومت کی طرف سے مسلط کرنے کی کوشش کی جاتی۔ مغل حکومت کی زبان ہمیشہ فارسی رہی ہے حقیقت یہ ہے کہ اردو نے سلطنت مغلیہ کے زوال کے بعد ترقی کی اور خصوصاً اردو غالب سے لے کر انگریزوں کے اخراج تک جو ہندوستان کی مکمل غلامی کا دور رہا ہے زبان نے ہندوؤں اور مسلمانوں کی مشترکہ وطن پرستانہ کوششوں کے ذریعہ ترقی کی اور اس دور

(باقی پر صفحہ ۸)

مملکت

۴ آبان ۱۳۵۸ ف

شذرات

مزدوروں سے متعلق حکومت کی پالیسی

اس اشاعت میں محکمہ اطلاعات کا ایک پریس نوٹ کسی اور جگہ شائع کیا جا رہا ہے جس کے مطالعہ سے ناظرین اندازہ لگا سکیں گے کہ حیدرآباد کی موجودہ حکومت کس طرح مزدوروں کی فلاح و بہبود کے کام میں دلچسپی لے رہی ہے۔

اڈیشنل سیول سرونٹس کے ایک قابل عہدہ دار مسٹر ریگے کی صدارت میں ایک تحقیقاتی کمیٹی بھی تشکیل دی گئی ہے جو اجرتوں اور دیگر سہولتوں سے متعلق سفارشات پیش کرے گی۔ زرعی مزدوروں سے متعلق بھی حکومت ہند کے حالیہ قانون کی اساس پر ایک جدید قانون نافذ ہونے والا ہے۔ مزدوروں کی رہائش سے متعلق تجاویز پیش کرنے کے لئے ایک ذیلی کمیٹی بھی ترتیب دی گئی ہے اس کے علاوہ زرعی مزدوروں سے متعلق مواد فراہم کیا جا رہا ہے اور یہ کام معتمدی لیبر سے متعلق ہے۔

دوسری جانب زرعی اصلاحات کی کمیٹی کام کر رہی ہے جو کاشتکاری اور متعلقہ مسائل سے متعلق اپنی تجاویز پیش کرے گی جو کاشتکاروں نیز زرعی مزدوروں کی فلاح و بہبود کی ضامن ہوں گی۔ حکومت حیدرآباد کے یہ اقدامات قابل مبارکباد ہیں جاگیرداری انقلاب کو روکنے کا یہی ایک موثر طریقہ ہے۔

کسانوں کا مستقبل

مسٹر گوبند داس شراف نے چند ہفتے قبل اپنے اخبار فرقدم میں زرعی مسائل سے متعلق ایک نہایت بصیرت افروز مقالہ سپرد قلم کیا ہے جس کا لب لباب یہ ہے کہ قابل کاشت اراضی کی از سر نو تقسیم ایسے اصولوں پر کی جائے کہ چند بڑے زمینداروں کے قبضہ سے وسیع رقبہ جات نکل کر یہ زمین کاشتکاروں کے قبضہ میں آسکیں۔ سوال کہ بڑے زمینداروں کو ان کی اراضی کا معاوضہ دیا جائے یا نہ دیا جائے

ذریعہ کاشتکاروں سے معاوضہ لیا جائے یا نہ لیا جائے ہنوز محتاج بحث ہے۔ ہر حال ہمیں امید ہے کہ زرعی اصلاحات کی کمیٹی یقیناً مسٹر گوبند داس شراف کے مضمون کو اسی توجہ سے دیکھے گی جس کا وہ مستحق ہے۔

صحافتی کانفرنسوں کی ضرورت

حیدرآباد کے فوجی گورنر میجر جنرل چودھری قابل مبارکباد ہیں کہ وہ وقتاً فوقتاً پریس کانفرنس منعقد کر کے اخبارات کو اس کا موقع دیتے ہیں کہ وہ اہم مسائل سے متعلق صدر حکومت کے خیالات معلوم کریں۔

لیکن بعض مسائل ایسے ہوتے ہیں جن پر صدر المہام متعلقہ ہی تفصیل کے ساتھ روشنی ڈال سکتے ہیں۔ مثال کے طور پر رسد کے انتظامات کو لیجئے۔ آنرایبل مسٹر کرشنا راؤ اس موضوع پر جو سیر حاصل گفتگو کر سکتے ہیں ایک فوجی گورنر کے لئے اس لئے ممکن نہیں کہ میجر جنرل چودھری کی توجہات عظیم تر اور وسیع تر مسائل پر مرکوز ہیں۔ اسی طرح جاگیرداری نظام کی برخاستگی سے متعلق جو قانون نافذ ہوا ہے اس کی بہت ساری باتیں تشریح طلب ہیں۔ ایک تیسری مثال اس قانون کی ہے جو تخلیہ کنندگان کی جائدادوں سے متعلق نافذ ہوا ہے۔ ہماری رائے ہے کہ ان تینوں مسائل یعنی انتظامات رسد، جاگیرداری نظام کا خاتمہ، اور تخلیہ کنندگان کی جائدادوں کی نسبت صدر المہامین متعلقہ صحافتی کانفرنس منعقد کر کے اخباری نمائندوں کو شکوک و اوہام رفع کرنے کا موقع دیں تو عوام کی بہت ساری غلط فہمیاں دور ہو سکتی ہیں۔ ہمیں امید ہے کہ محکمہ اطلاعات ہماری اس تجویز کو آگے بڑھائے گا۔

مغرب کا اقتصادی بحران

جہاں تک دوسری جنگ عظیم کے نتائج کا تعلق ہے ہار جیت سے قطع نظر ایک بات صاف و صریح ہے کہ جنگ کی لائی ہوئی معاشی تباہی یکساں طور پر یورپ کے تمام ممالک پر اثر انداز ہوئی اگرچہ جمہوریت اور آزادی کی جیت ہوئی۔ لیکن اس کے لئے یورپ کو ایک بہت بڑی قربانی دینی پڑی۔ اگر ہم اقتصادی حالات کو مد نظر رکھیں تو ہمیں یورپ کی فاتح اور مفتوح اقوام میں کوئی امتیازی فرق نظر نہیں آتا۔ آج اگر مغربی جرمنی کے باشندے کپڑوں اور راشن سے گھبرائے ہوئے ہیں تو برطانیہ کے لوگ بھی ویسی ہی پابندیاں جھیل رہے ہیں۔ اگر جرمنی کے بہت سے کارخانے برباد ہو چکے تھے تو جنگ کے بعد برطانیہ کی ایک بڑی آبادی بھی سکونت سے محروم تھی۔ اگر اٹلی میں بے روزگاری اور افراط زر کے مسئلے ہیں تو فرانس اور ہالینڈ اس سے بچے ہوئے نہیں ہیں۔ البتہ ایک فرق ضرور ہے۔ فاتح اور مفتوح میں ایک نفسیاتی امتیاز ضرور ہے۔ فاتح قوموں کے حوصلے بلند ہیں کیونکہ ان کے سامنے سعی و عمل کی تمام راہیں کھلی ہوئی ہیں لیکن جرمنوں کے لئے ان کا مستقبل ایک سوالیہ نشان ہے۔ اس بات کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کہ کیونکہ اسی وجہ سے برطانیہ، نیدرلینڈ اور بلجیم کے مقابلہ میں جرمنی کی رفتار کچھ سست نظر آتی ہے۔ یہ حالات تو براہ راست دوسری جنگ عظیم کے پیدا کئے ہوئے تھے لیکن اگر سیاسی اختلافات اقتصادی اشتراک عمل کی راہ میں رکاوٹیں نہ پیدا کرتے اور مشرقی یورپ اور مغربی میں تعاون ہوتا تو حالات کے اعتدال پر آنے میں دیر نہ لگتی۔ اس بات سے قطع نظر کہ سیاسی اختلافات کی ذمہ داری کس پر ہے یہ واضح ہے کہ موجودہ فضا مجموعی طور پر یورپ کی بہبودی کے لئے ناسازگار ہے۔ جنگ سے قبل یورپ ایک اقتصادی اکائی تھا۔ جنگ کے بعد جہاں دو سیاسی کیمپ بن گئے اور جہاں تک نظریات کا تعلق ہے

ان کے درمیان کسی طرح کی مصالحت یا سمجھوتے کی توقع نہیں، لیکن یہی وہ سوچنا ہے کہ یہ سیاسی جنگ اپنی اقتصادی بحالی اور معاشی بہبودی کے لئے دوسرے ممالک کے تعاون اور اشتراک عمل کا محتاج ہے کہ سیاسی اختلافات نے اقتصادی اشتراک عمل کے امکانات مسدود کر دیے اور جنگ سے پہلے یورپ میں جو اقتصادی توازن تھا وہ برہم ہو گیا اور اسے بحال کرنے کی کوشش کامیاب نہ ہو سکی۔ ان میں سے ہر ملک نے اپنی سیاسی مصلحتوں کے تحت اقتصادی نظام مرتب کئے جو ایک دوسرے سے قریب آنے کے بجائے دونوں بلاک متوازی راستہ پر چلنے لگے۔ جنگ کے بعد یورپ کی اقتصادی حالت مختلف خطوط پر ہوئی ہے اس لئے ہر ملک اور اس کی اقتصادی پالیسی کو مد نظر رکھنا ہوگا۔

لاسلکی ٹیلیفونی نظام

موجودہ حکومت کی نئی نئی ترقیات میں لاسلکی ٹیلیفونی نظام کو عوام کے فائدہ اور تحفظ دونوں کے مد نظر سب سے اعلیٰ مقام حاصل ہے۔

ریاست حیدرآباد کے نقشہ پر ایک نظر ڈالئے تو مواصلات کے اس نظام کے قیام کی اہمیت ظاہر ہوگی۔ چھ اضلاع ایسے ہیں جو دار الحکومت کے ساتھ سڑک کے سوا مواصلات کے کسی دوسرے ذریعے سے مربوط نہیں ہیں۔ بعض مقامات پر جو ریلوے لائن پر واقع ہیں، انڈین ٹیلیگراف کے دفتر موجود ہیں لیکن ان میں سے صرف چند دفاتر انڈین ٹیلیگراف سسٹم سے راست مربوط ہیں اور بقیہ مقامات پر علاقہ ریلوے کے اجازت یافتہ دفاتر ٹیلیگراف کے واسطے سے کام انجام دیتے ہیں۔ ان اجازت یافتہ دفاتر کے واسطے سے جو تار روانہ کئے جاتے ہیں ان کے پہنچنے میں قابل لحاظ دیر ہوتی ہے اور عوام کو زحمت ہوتی ہے۔

اس دقت کو دور کرنے کے لئے ٹیلیگراف اور ٹیلیفون کے تاروں کا جال پھیلایا جا سکتا ہے۔ لیکن اس میں دو خرابیاں ہیں ایک تو یہ کہ اس کے لئے کم سے کم دو سال کی مدت درکار ہوگی اور دوسری یہ کہ مالی مصارف زیادہ ہوں گے۔ اس کے مد نظر لاسلکی مواصلات کے فن میں جو جدید ترقیاں ہوئی ہیں ان سے استفادہ کیا گیا ہے۔ چنانچہ لاسلکی ٹیلیفون کے ذریعہ ریاست کے تمام اضلاع کے مستقروں اور دو بڑے اہم مقامات کو ایک دوسرے سے مربوط کرنے کے لئے ایک منصوبہ تیار کیا گیا۔ اس اسکیم پر عاید ہونے والے صرفے کا اندازہ ساڑھے تین لاکھ روپے لگایا گیا ہے۔ جو ٹیلیفون اور ٹیلیگراف کے تاروں کا جال پھیلانے کے صرفے کے مقابلہ میں بہت کم ہے۔ اس کے علاوہ یہ اسکیم چند مہینوں کی ہی مدت میں ترقی پذیر مدارج کے ساتھ روبہ عمل لائی جا سکتی ہے۔

اگرچہ اس سے پہلے مواصلاتی اغراض کے لئے دنیا میں لاسلکی طریقہ استعمال ہو چکا ہے لیکن ہندوستان میں دو راہی (TWO-WAY) لاسلکی ٹیلیفون سے عوام کو فائدہ پہنچانے کے موقع حاصل نہیں کئے گئے لہٰذا حیدرآباد کو اس خصوص میں اولیت حاصل ہے۔

اپریل ۱۹۴۹ء میں لاسلکی ٹیلیفون کی اسکیم منظور ہوئی اور اسکیم کو روبہ عمل لانے کے لئے محکمہ ٹیلی کمیونیکیشنس قائم ہوا۔ ضروری ساز و سامان کی درآمد میں تاخیر اور فنی قابلیت رکھنے والے عملے کی کمی کے باوجود یہ محکمہ پانچ مہینوں میں حیدرآباد، اورنگ آباد (بشمول جالنہ) اور منیر آباد پر تین اسٹیشن قائم کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ ابتدائی تجربے ہو چکے ہیں جن کے نتائج بہت اطمینان بخش ہیں اور اب یہ تینوں اسٹیشن خدمات انجام دینے کے لئے تیار ہیں۔

لاسلکی ٹیلیفونی طریقہ کی اجرائی کا اولین مقصد عوام کو سہولت پہنچانا ہے۔ اگرچہ انتظامی اغراض کے لئے حکومت کے لئے بھی بلاشبہ یہ بے حد مفید ثابت ہوگا۔ یہ لاسلکی طریقہ تیز ہواؤں، طوفانوں یا تخریبی کارروائیوں سے متاثر ہوئے بغیر تار والی ٹیلیفون لائنوں کی جگہ لے گا اس لئے اس کی نگہداشت کے اخراجات بھی بہت کم ہوں گے۔

لاسلکی ٹیلیفون سروس کے افتتاح کے بعد عوام جس طرح اب بمبئی، مدراس، حکومت ہند کے ٹرنک ٹیلیفون لائین کے ذریعہ گفتگو کر سکتے ہیں بالکل اسی طرح وہ حیدرآباد سے اپنے ٹیلیفون پر اورنگ آباد یا جالنہ اور منیر آباد سے گفتگو کر سکیں گے اور اسی طرح وہاں کی گفتگو یہاں پر سن سکیں گے۔

ٹیلیفون کے ذریعے بات چیت کے علاوہ عوام اس لاسلکی نظام پر خبریں بھی روانہ کر سکیں گے۔ ان خبروں کو (Phonacoms) "بے تار" کہا جاتا ہے۔ ایسی خبر ایک مقام سے ٹیلیفون کے ذریعہ دوسرے مقام کو روانہ کی جاتی ہے جہاں اسے لکھ لیا جاتا ہے اور لکھی ہوئی خبر مرسل الیہ کو پہنچا دی جاتی ہے جیسا کہ ٹیلیگرافی میں ان کی ترسیل میں عمل کیا جاتا ہے۔

وزیر پناہ گزین کا صحافتی بیان

لکھنؤ ۳۰ اگست۔ مسٹر موہن لال سکسینہ وزیر پناہ گزین نے کل ایک صحافتی کانفرنس کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ بین مملکتی پناہ گزین سمجھوتہ کے باوجود چونکہ حکومت پاکستان نے حکومت ہند کو غیر مسلموں کی جائداد کا منافع یا کرایہ کی رقومات نہیں بھیجی ہیں اس لئے حکومت ہند نے یہ تصفیہ کیا ہے کہ مسلمانوں کی جائداد کا منافع یا کرایہ غیر مسلم پناہ گزینوں میں تقسیم کیا جائے۔ جو اس وقت پریشان حال اور مفلسی میں ہیں۔ مسٹر موہن لال سکسینہ نے فرمایا کہ ان کی جائداد پر مسلمان مکانداروں یا اہالیوں کو پریشان نہیں ہونا چاہئے۔ کیونکہ حکومت ہند ان کے مال و متاع کی ہر طرح حفاظت کرے گی۔ لیکن یہ قانون صرف ان مسلمانوں کی حد تک نافذ ہوگا جو ہند چھوڑ کر پاکستان جا بسے ہیں۔ اور ہم بھی نفع خوری چاہتے ہیں۔

ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے وزیر پناہ گزیناں نے صحیفہ نگاروں کو بتلایا کہ حکومت ہند نے اپنے اس اقدام سے رسمی حکومت پاکستان کو مطلع کر دیا ہے۔
(اے۔ پی)

سیاسی نمک پارے

از

کشاف

بلا تنقید:۔

ہمیں ہندوستان میں یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ آزادی اور جمہوریت ہماری عادتوں میں شامل نہیں ہیں۔ غلامی، جہالت، واحد حکمرانی ہماری عادتوں میں شامل ہیں اور یہ جمہوریت اور آزادی کے سب سے بڑے دشمن ہیں۔ اگرچہ گاندھی جی نے اخلاقی سطح پر جد و جہد آزادی کو چلا کر اس کی کوشش کی کہ آزادی اور جمہوریت ہماری عادتوں میں شامل ہو جائیں لیکن دو سو سال کی روایتوں سے ہمیں آزادی حاصل کرنے میں ناکامی ہوئی۔ (رہنما ہفتہ وار)

ہندوستانی مسلمانوں کی انسانی حقوق سے بیجا محرومی۔

اقوام متحدہ سے علامہ مشرقی کی شکایت

(اخباری سرخیاں)

کہیں معاصر "رہنما" ہفتہ وار دکن کرونیکل کو یہ اعتراض نہ ہو کہ سلم پریس نے سکوت اختیار کیا ہم قبل از قبل علامہ مشرقی کے اس اقدام کی مذمت کرتے ہیں۔ ہمارے ۱۲ فی صد حقوق تو بہر حال محفوظ ہیں۔

ایک معاصر نے اعلان کیا ہے کہ:۔

حیدرآباد کی بیوہ اور یتیموں کی امداد کے لئے اخبار کا ایک خصوصی نمبر شائع ہوگا جس کی ربع آمدنی ریلیف فنڈ کو دی جائے گی۔

باقی تین چوتھائی آمدنی سے مالکِ اخبار متمتع ہوں گے۔

نقش چالاک ہے سو بھیس بدل لیتا ہے

اخبارات میں یہ خبر شائع ہوئی ہے کہ:۔

نارسنگی میدک میں مدرسی پڑھائی کا معیار نہایت ادنیٰ ہے۔ مقامی کانگریسی اصحاب اپنے پارٹی کو جو نااہل اور غیر سند یافتہ ہے مدرسی کے عہدہ پر فائز کرانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ یہ اقربا نوازی طلبہ کے لئے باعث نقصان بن رہی ہے۔

باعث نقصان کیوں؟ ایسے اساتذہ کی تعلیم سے طلبہ کے خیالات پختہ ہو جائیں گے۔

ایک اشتہار:۔

ضرورت ہے ایک ایسی خاتون کی جو معمولی لکھی پڑھی ہوں مگر اچھی طرح بول سکتی ہوں۔

اگر بول نہ سکتی ہوں تو مدرسہ کوررو گرنگ سے رجوع کیا جا سکتا ہے۔

معتمد صاحب جمعیت علما اطلاع دیتے ہیں کہ:۔

حلقۂ معظم جاہی مارکٹ میں شاخ جمعیت علماء کا قیام عمل میں آیا ہے۔ اراکین کی بھرتی کی جا رہی ہے۔

اب تو معظم جاہی مارکٹ کے اطراف علماء ہی علماء نظر آئیں گے۔

سوامی رامانند تیرتھ نے ایک تقریر میں فرمایا کہ:۔

ہندوستان سرمایہ داروں اور مالداروں کا ملک نہیں ہے۔ ہندوستان کے حقیقی مالک گرنی میں کام کرنے والے لوگ ہیں۔

مگر یہ کیا بات ہے کہ ہندوستان کے ان حقیقی مالکوں پر پولیس گولیاں لاٹھیاں برساتی ہے؟

زبان کے مسئلہ پر کانگریسیوں کے اختلافات میں اضافہ ہو گیا۔ (اخباری سرخی)۔

مگر یہ اختلاف صرف زبانی ہے۔

معاصر "رہنمائے دکن" لکھتا ہے کہ:۔

ایک عرصہ سے یہ دیکھا جا رہا ہے کہ آئے دن مرن برت یا بھوک ہڑتال کی جاتی ہے۔ ...... مرن برت کو ایک مذاق بنا دیا گیا ہے۔

آج کل مرن برت رکھنے والوں کا مر جانا ضروری نہیں ہے۔ ایسے لوگ غالب کے اس خیال کی عملی تشریح کر رہے ہیں۔

موت آتی ہے پر نہیں آتی

کانپور میں تقریر کرتے ہوئے پنڈت نہرو نے فرمایا کہ:۔

اگر ہندوستان کو ترقی کرنا ہے تو اس کو ہندوستانی ثقافت اور عصری ثقافت میں ہم آہنگی پیدا کرنی ہوگی۔ عصر جدید میں تہذیب کسی ایک ملک کا ورثہ نہیں۔ اگر ہم جدید تہذیب سے استفادہ نہ کریں تو ہم خود اپنی تہذیب کو بچا نہیں سکتے۔

مسٹر گولوالکر صدر آر، ایس، ایس کو پنڈت جی کی اس رائے سے اختلاف ہے وہ ماضی پرستی میں ہندوستان کی نجات سمجھتے ہیں۔

آئین نو سے ڈرنا طرز کہن پہ اڑنا
منزل یہی کٹھن ہے قوموں کی زندگی میں

وکلا کی احتجاجی کمیٹی نے ایک قرارداد میں سوامی جی اور مسٹر بی، رام کشن راؤ سے اپیل کی ہے کہ وہ سر جوڑ کر بیٹھیں اور ایک تعمیری فارمولا دریافت کریں۔

سر جوڑنے سے کیا ہوتا ہے دل جوڑنے کی ضرورت ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ توڑ جوڑ میں کون بازی لے جاتے ہیں۔

سوویٹ روس میں مسلمان

اور اُن کا نظامِ زندگی۔

سوویٹ یونین میں مذہب اسلام کے پیروؤں کی بہت کافی تعداد ہے۔ لیکن مسلمانوں کی صحیح تعداد بتانا بہت مشکل ہے۔ کیونکہ سوویٹ یونین میں مذہبی ادارے ریاست سے علیحدہ ہیں اور آزادیٔ اعتقاد کی پوری طرح ضمانت کرنے کے لئے قانونی طور پر مذہب کی بنیاد پر مردم شماری کی ممانعت کر دی گئی ہے۔ لیکن عام طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ روسی آرتھوڈاکس چرچ کے ماننے والوں (عیسائیوں) کے بعد تعداد کے اعتبار سے مسلمان سب سے زیادہ ہیں۔

انقلاب سے پہلے کے روس کی حالت یہ تھی کہ زارشاہی حکومت نے ایسے قوانین بنا رکھے تھے کہ مسلمانوں سے امتیازی سلوک کیا جاتا تھا۔ لیکن اس کے برعکس سوویٹ یونین میں مسلمانوں کو پوری آزادی ہے کہ وہ اپنے مذہبی اصولوں کی پابندی کریں۔ اسلام کو دیگر تمام مذاہب کے ساتھ مساوی حقوق حاصل ہیں۔

سوویٹ یونین کے دستور حکومت کی دفعہ ۱۲۴ کے بموجب مذہب کی آزادی کی ضمانت دی گئی ہے۔ مسلمانوں کو آزادی ہے کہ وہ مذہبی اصولوں، عقائد اور روایات کے بموجب عبادت کریں۔ سوویٹ حکومت اسلامی اداروں اور علمائے دین کی اعتقادی، فرائضی، تنظیمی، مالی اور دیگر سرگرمیوں میں کسی کی مداخلت نہیں کرتی۔ اور اسی حکومت میں مذہبی انجمنوں سے مطالبہ کرتی ہے کہ وہ بھی ریاست کے معاملات میں کسی قسم کی مداخلت سے پرہیز کریں۔

لیکن اس کا مقصد یہ ہرگز نہیں ہے سوویٹ یونین کے شہری کی حیثیت سے مذہب کے ماننے والے اور علمائے دین سماجی اور سیاسی زندگی میں حصہ ہی نہ لے سکیں انہیں پورا حق حاصل ہے کہ وہ کسی بھی سیاسی اور سماجی زندگی میں حصہ لیں۔ اسلام کے نمائندوں کی حیثیت سے نہیں ایک مذہبی انجمن کی حیثیت سے نہیں بلکہ سوویٹ یونین کے شہری کی حیثیت سے جنہیں سوویٹ یونین کے دستور حکومت کے دئے ہوئے تمام حقوق حاصل ہیں۔

سوویٹ حکومت کے ابتدائی برسوں کے دوران بعض مسلم علمائے دین کے ایک حلقے نے سوویٹ حکومت کے خلاف شورش کر دی تھی۔ اور سابقہ دشمنوں کی سرگرمی کے ساتھ حمایت کی تھی۔ سوشلزم کے دشمنوں کی شکست کے ساتھ ساتھ مذہبی گروہوں کو خود اپنے ذاتی سیاسی مفاد کے لئے استعمال کرنے والے علمائے دین کا بھی زور ختم ہوا۔ سوویٹ یونین کے مسلم علمائے دین اور عام مسلمانوں کا یکساں نقطۂ نظر سوویٹ عوام کے اخلاقی اور سیاسی اتحاد سے ظاہر ہوتا ہے جس کا امتحان جنگ کے نازک دور میں ہو چکا ہے مذہبی عقائد کی پابندی کرنے والے تمام لوگ سوویٹ عوام کا ہی جز ہیں۔ انہیں میں شیر و شکر ہیں۔ ان کے سیاسی اور معاشی مفادات اور خواہشات نہ تو مختلف ہیں اور نہ ہی ہو سکتے ہیں۔ تمام عوام کے ساتھ مل کر وہ بھی ایک نئی اور پُرمسرت زندگی تعمیر کر رہے ہیں۔ اور اس اتحاد کو کبھی بھی کوئی نہیں توڑ سکتا۔ اس سے علمائے دین بھی مستثنیٰ نہیں ہیں اگر بالفرض محال کسی عالم دین کا اعتقاد ہو بھی اور وہ کوئی مختلف راہ عمل اختیار کرنا چاہے تو وہ لازمی طور پر سب سے الگ تھلگ ہو کر رہ جائے گا کیونکہ مذہبی عقائد کی پابندی کرنے والے تمام لوگ اس کی جانب سے منہ پھیر لیں گے۔

سوویٹ یونین کے دستور حکومت کی دفعہ (۱۲۴) میں مذہبی آزادی کی جو ضمانت دی گئی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ تمام مذہبی معتقدین اگر چاہیں تو اپنے مذہبی اصولوں کے مطابق مذہبی انجمنیں بنا سکتے ہیں۔ مذہبی رسوم ادا کرنے کی غرض سے باقاعدہ ایک جگہ جمع ہو سکتے ہیں۔ مذہبی عقائد اور اصولوں کی بموجب اشیاء سے خوردنی استعمال کر سکتے ہیں۔ یا اگر خورد و نوش سے پرہیز کرنے کو کہا گیا تو پرہیز کر سکتے ہیں وغیرہ۔ مذہبی رسومات و فرائض کی ادائیگی پر کوئی رکاوٹ نہیں پیدا کی جاتی۔ ریاست تمام مذہبی معتقدین کو عبادت گاہوں کے حصول اور مذہبی فرقوں کی معاشی ضروریات پوری کرنے میں ضروری امداد بہم پہنچاتی ہے۔ مسجدوں وغیرہ کی تعمیر کے لئے عمارتی سامان مہیا کرتی ہے۔ یہ علماء دین کی تعلیم کے لئے مذہبی انجمنوں کی ضروریات کو مد نظر رکھتے ہوئے سوویٹ ریاست انہیں خاص مدرسے قائم کرنے میں امداد دیتی ہے۔ عمارتیں دیتی ہے اور کاغذ مہیا کرتی ہے اور چھاپہ خانوں کی سہولتیں بہم پہنچاتی ہے سوویٹ یونین میں تمام مذہبی فرقوں اور انجمنوں کے اخراجات خود معتقدین پورے کرتے ہیں۔ حکومت کی طرف سے انہیں کوئی (ظاہر یا پوشیدہ) مالی امداد نہیں دی جاتی۔ حکومت انہیں ٹیکسوں سے مستثنیٰ قرار دیتی ہے۔ یہ عبادت گاہیں عوامی ملکیت ہیں۔ حکومت انہیں غیر معینہ مدت تک کام میں لانے کے لئے بلا معاوضہ مذہبی انجمنوں کے سپرد کر دیتی ہے۔ مذہبی انجمنوں کو حق حاصل ہے کہ وہ دوبارہ نئی عمارات خریدیں اور تعمیر کریں۔ مذہبی رسومات کی ضروری اشیاء تیار کرانے کے لئے کارخانہ کی جگہ حاصل کریں۔ انہیں اپنی رقوم اپنی مرضی سے صرف کرنے کی پوری پوری آزادی ہے۔ ان اخراجات پر حکومت کسی طرح کا کنٹرول نہیں کرتی۔

مذہبی انجمنوں کے سامنے ان کی تنظیمی اور معاشی سرگرمیوں کے سلسلے میں جو مسائل درپیش ہوتے ہیں۔ انہیں خاص ایک سرکاری ادارہ طے کرتا ہے۔ اس کا نام مذہبی معاملات کی کونسل ہے اور یہ سوویٹ یونین کی مجلس وزراء کے ماتحت ہے۔ سوویٹ یونین میں مسلمانوں کے دو سب سے بڑے فرقے ہیں۔ سنی اور شیعہ شیعہ اقلیت میں ہیں اور سب سے زیادہ ماورائے قفقاز کے علاقوں میں آباد ہیں۔ مسلمانوں کی مذہبی سرگرمیوں کی رہنمائی چار مرکزوں سے علماء دین کی تنظیم کرتی ہیں۔ جن کا انتخاب متعلقہ علاقوں کے معتقدین کے عام اجلاس پر عمل میں آتا ہے۔

وسط ایشیاء اور قزاقستان کی اسلامی جمعیت ہے (جس کا مرکز تاشقند ہے) سوویٹ یونین کی پانچ جمہوریاؤں (قزاق۔ ازبکستان۔ کرغیزیا۔ تاجکستان۔ ترکمانیہ) کے معتقدین ہے اور اس کے صدر مسلمان مفتی ضیاء الدین بابا خان عبدالمجید خان اوگلی ہیں۔ جو سوویٹ یونین میں سب سے بزرگ مسلمان ہیں۔ اس جمعیت کا انتخاب دسمبر سنہ میں ایک بڑے عام اجلاس میں عمل میں آیا تھا۔ اس جمعیت میں سب سے زیادہ مشہور اور محترم مسلمان لیڈر شامل ہیں اور اس کی بنیاد یہ ہے کہ اس میں تمام بڑی بڑی قومیتوں کے نمائندے شامل ہیں۔ سوویٹ یونین کے یوروپی علاقوں اور سائبیریا کے مسلمانوں (تاتاری، باشکیر وغیرہ) کی اسلامی جمعیت کے صدر ۶۶ سالہ مفتی عبدالرحمن رسولیف ہیں۔ جن کا سلسلہ نسب مذہبی پیشواؤں سے جا ملتا ہے۔ اس جمعیت کا مرکز اوفا میں ہے۔ اس جمعیت کا انتخاب (اکتوبر سنہ کے اجلاس عام میں عمل میں آیا تھا۔ اس کا متعلقہ علاقہ جات پر مشتمل ہے جو مغرب میں (ویلنیس، لیتھوینیا) سوویٹ سوشلسٹ جمہوریہ سے شروع ہو کر مشرق بعید میں ولادیووستک تک پھیلے ہوئے ہیں۔

شمالی قفقاز میں آباد مسلمانوں کی اسلامی جمعیت کا مرکز شہر بوئی ناکسک میں ہے اور اس کے صدر سالہ خضر گاری بیک ہیں۔ ماورائے قفقاز کے مسلمانوں کی اسلامی جمعیت کا مرکز باکو میں ہے۔ اس کے صدر ۵ سالہ شیخ الاسلام زادہ آخوند آغا ہیں جو شیعہ فرقہ اور مسلمانوں کے سب سے بڑے اور مانے ہوئے عالم ہیں۔ چونکہ ماورائے قفقاز کے مسلمانوں میں اکثریت سنی مسلمانوں کی ہے اس لئے اسلامی

(باقی آئندہ)

بین الاقوامی ادارے اور ہندوستان

آزادی کے بعد

آزادی مل جانے کے ساتھ بین الاقوامی دنیا میں ہندوستان کی سرگرمیاں بڑھ گئیں جغرافیائی اور سیاسی درجہ ایک نہایت اہم اور یادگار رنگ ہونے کی وجہ سے ہندوستان کو بہت سے بین الاقوامی اداروں کی رکنیت حاصل ہو چکی ہے۔ آزادی کے دوسرے سال میں حکومت ہند مختلف بین الاقوامی کانفرنسوں میں مناسب نمائندگی کے لئے انتظام کرتی رہی۔ ان میں سے کچھ کانفرنسیں ہندوستان میں بھی منعقد ہوئیں۔

ہندوستان جن بین الاقوامی اداروں کا رکن ہے ان کی کئی قسمیں ہیں سب سے اول ہندوستان اقوام متحدہ کا رکن ہے جس کی وجہ سے اسے جنرل اسمبلی کے اجلاسوں اقوام متحدہ کے ماتحت کام کرنے والی بڑی بڑی مجلسوں اور ضمنی جماعتوں میں شرکت کرنی ہوتی ہے۔ دوسرے درجہ پر خاص ایجنسیاں ہیں جو حکومتوں کے مابین باہمی سمجھوتے سے قائم کی گئی ہیں۔ اور سرکاری کاروائی کے خاص خاص شعبوں سے متعلق ہیں۔ ہندوستان درج ذیل خاص ایجنسیوں کا رکن ہے۔

(۱) بین الاقوامی ادارہ محنت (۲) ادارہ برائے خوراک و زراعت (۳) متحدہ اقوام کا تعلیمی سائنٹفک اور ثقافتی ادارہ (۴) شہری ہوا بازی کا بین الاقوامی ادارہ (۵) تعمیر نو اور ترقی کا بین الاقوامی بنک (۶) بین الاقوامی مالی فنڈ (۷) ڈاک خانوں کے ملازموں کی کل عالمی یونین (۸) بین الاقوامی ٹیلی کمیونیکیشن یونین (۹) ادارہ صحت عالم (۱۰) بین الاقوامی ادارہ تجارت کی عبوری کمیٹی (۱۱) ادارہ موسمیات عالم (۱۲) بین الحکومتی بحری مشاورتی ادارہ۔

جنرل اسمبلی کے اجلاس پیرس میں ہندوستان کو معاشی اور سماجی کونسل کا رکن منتخب کیا گیا جس کی وجہ سے ہندوستانی نمایندوں نے فروری اور جولائی میں معاشی اور سماجی کونسل کے آٹھویں نویں اجلاسوں میں شرکت کی۔ اس کونسل نے جو مختلف کمیشن مقرر کئے ہیں ہندوستان ان کا خاص رکن ہے۔

زیر جائزہ سال میں ہندوستانی نمایندوں نے مختلف بین الاقوامی کانفرنسوں میں شرکت کی۔ ان میں درج ذیل کانفرنسیں بھی شامل تھیں ۲۸ مئی ۱۹۴۸ء کو میسور میں جنگلات اور عمارتی لکڑی کے استعمال سے متعلق کانفرنس۔ ۳۰ ستمبر ۱۹۴۸ء پیرس میں تحفظ قدرت کی بین الاقوامی یونین۔ اگست ۱۹۴۸ء میں ارشنٹ کی بین الاقوامی کانگریس۔

اقوام متحدہ کی رکنیت سے بہت سی بڑی بڑی ذمہ داریاں عاید ہوتی ہیں (۵۹) ممالک جنرل اسمبلی کے رکن ہیں۔ جنرل اسمبلی کا اجلاس ستمبر کے تیسرے منگل کو شروع ہوتا ہے اور عام طور پر دو ماہ تک جاری رہتا ہے۔ اس میں سیاسی سماجی قانونی اور معاشی مسائل پر غور کیا جاتا ہے۔ اسمبلی کا تیسرا اجلاس پیرس میں ہوا تھا اس کے سامنے دریافت طلب مسائل تھے۔ بعد میں اس فہرست میں چھ اور بڑھائے گئے۔ کچھ مسائل کے عنوان درج ذیل ہیں۔ ایٹمی قوت کا کنٹرول۔ تخفیف اسلحہ کا سوال مسئلہ فلسطین۔ اطالوی بستیوں کا بندوبست۔ مسئلہ بلقان کوریا کی آزادی کا مسئلہ اور جنوبی افریقہ میں ہندوستانیوں سے سلوک کا مسئلہ۔ انسانی حقوق کے اعلان کا مسودہ اور آزادی اطلاع کے میثاق کا مسودہ بھی بعد میں اسمبلی کے ایجنڈے میں شامل کر دیا گیا ہے۔ اس اجلاس میں ہندوستانی وفد کی رہنمائی شریمتی وجے لکشمی پنڈت سفیر روس نے کی۔ جنرل اسمبلی کے صدر کے خاص بلاوے پر پنڈت نہرو نے ۲ نومبر ۱۹۴۸ء کو اس اجلاس میں تقریر کی۔

اسمبلی کے تیسرے اجلاس میں ہندوستان نے جنوبی افریقہ میں ہندوستانیوں کے مسئلوں اور انڈونیشیا کے سوال پر بحث چھیڑی۔ ہندوستانی نمایندے نے جنوبی افریقہ کی یونین حکومت کی نسلی امتیاز کی پالیسی عریاں کیا اور جنرل اسمبلی نے تقریباً قریب بالاتفاق رائے ایک قرارداد منظور کی اس قرارداد میں یہ سفارش کی گئی کہ چارٹر کے قواعد اور انسانی حقوق کے اعلان کو سامنے رکھتے ہوئے جنوبی افریقہ ہندوستان اور پاکستان کے نمائندوں کی ایک گول میز کانفرنس کی جائے۔ ایٹمی طاقت کے کنٹرول کے مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے ہندوستانی نمائندے نے کہا کہ نہ صرف ایٹمی قوت کے خام مال پر بین الاقوامی کنٹرول ہو بلکہ قوت پیدا کرنے والی ہر شئے پر ایسا کنٹرول ہونا چاہیئے۔

جنوری ۱۹۴۹ء میں نئی دہلی میں انڈونیشیا کانفرنس بلائی گئی۔ سیاسی تعاون کے لئے پہلا افتتاحی اجتماع تھا جس میں انیس ممالک کے نمائندے شامل ہوئے۔ ان میں آسٹریلیا اور نیوزیلینڈ کے نمائندے بھی شامل تھے۔ کانفرنس میں انڈونیشیا پر ولندیزیوں کی جارحانہ سرگرمیوں پر غور کیا اور اس کی سفارشات اقوام متحدہ کی مجلس امن کو بھیج دی گئیں۔ ہند کے وزیر اعظم جواہرلال نے اس کانفرنس کی صدارت کی۔

ہندوستان میں درج ذیل بین الاقوامی کانفرنس بھی ہوئیں۔ نومبر ۱۹۴۸ء میں شہری ہوا بازی کے بین الاقوامی ادارے کے جنوب مشرقی ایشیا کے علاقائی کمیشن کی کانفرنس۔ مارچ ۱۹۴۹ء میں عالمی جنگلات اور عمارتی لکڑی کے استعمال کی کانفرنس۔

اپنے ذاتی اوصاف اور بین الاقوامی جماعتوں میں اپنے اظہار خیال کی بدولت ہندوستان کے بہت سے نمائندے بین الاقوامی اداروں کی اہم جگہوں کے لئے منتخب کئے گئے۔ جنرل اسمبلی نے اپنے تیسرے اجلاس میں مسٹر بی۔ این۔ راؤ کو بین الاقوامی کمیشن برائے قانون کا رکن منتخب کیا۔ بعد میں مسٹر بی۔ این۔ راؤ اس کمیشن کے ایک صدر چنے گئے۔ مسٹر ایس دلال کو بین الاقوامی ادارہ محنت کی گورننگ باڈی کا صدر منتخب کیا گیا۔ مسٹر وی۔ کے۔ آر وی۔ تنجزی یار معاشی ترقی کے ضمنی کمیشن کے صدر چنے گئے۔ ڈاکٹر ایس۔ رادھا کرشنن دوبارہ تین سال کے لئے یونیسکو کے اگزیکٹیو بورڈ کے لئے منتخب ہوئے اور اس بورڈ کے صدر چنے گئے۔ جون ۱۹۴۹ء میں مانٹریال میں شہری ہوا بازی کے بین الاقوامی ادارے کا جو اجلاس ہوا کینیڈا میں ہندوستانی ہائی کمشنر سردار۔ ایچ۔ ایس۔ ملک اس کے صدر منتخب کئے گئے اور جولائی ۱۹۴۹ء میں ڈاکٹر لکشمن سوامی مدلیار کو انجمن صحت عالم کے اگزیکٹیو بورڈ کا صدر بنا لیا گیا۔

مزدوروں کیلئے ہندوستانی قوانین کی طرز پر نئے قوانین بنائے جا رہے ہیں

حکومت حیدرآباد کے منصوبے

ریاست کی فیکٹریوں کے (۲۰) ہزار مزدوروں (۲۶) ہزار کان کنوں، (۲۲) ہزار ملازمین ریلوے اور سونے کی کانوں کے ایک ہزار مزدوروں کے لئے ایک نیا دور شروع ہو رہا ہے۔

ریاست حیدرآباد میں مزدور اور کان کن آیندہ ویسی ہی اجرتوں، آسائشوں، اوقات کار، دوسری سہولتوں اور قواعد و قوانین سے مستفید ہوں گے جیسے کہ انڈین یونین میں رائج ہیں۔

پولیس کاروائی کے فوراً ہی بعد محکمہ لیبر نے مزدوروں کے متعلق حکومت کی ترقی پسندانہ پالیسی کے تحت اور عوامی مطالبات کے مدنظر مسودوں دساتیر العمل کی ترتیب شروع کر دی جو ان قوانین کی طرز پر مرتب کئے گئے ہیں جو انڈین یونین کے مرکز یا صوبوں میں رائج ہیں۔

چنانچہ حکومت ہند کے فیکٹریز ایکٹ کی طرز پر ایک نیا دستور العمل مرتب کیا گیا ہے جو موجودہ قانون کارخانہ جات بابتہ سنہ ۱۳۵۶ ف کی جگہ لے گا اور جو اب باضابطہ منظوری کے لئے حکومت کے آگے پیش کر دیا گیا ہے۔ اس نئے دستور العمل میں مزدوروں کے تحفظ اور فلاح و بہبود کے لئے ایسے احکام شامل کئے گئے ہیں جو اس سے پہلے کبھی نافذ نہیں تھے اس کا اطلاق ان تمام فیکٹریوں پر ہوگا جہاں دس یا دس سے زیادہ اشخاص ملازم ہوں اور جو برقی قوت استعمال کرتی ہوں یا جہاں بیس یا اس سے زیادہ اشخاص ملازم ہوں چاہے وہ قوت استعمال کرتی ہوں یا نہ ہوں۔ اس نئے دستور العمل کی رو سے دوامی یا موسمی فیکٹریوں کے درمیان کوئی امتیاز باقی نہیں رکھا جائیگا اور کام کے گھنٹے فی ہفتہ (۴۸) یا روزآنہ (۸) مقرر کئے جائیں گے اور فیکٹریوں میں ملازم رکھے جانے والے بچوں کی عمر کی انتہائی (۱۲) سال سے بڑھا کر (۱۴) سال کر دی جائے گی۔ تمام حادثات کی اطلاع، نقشوں کی پہلے ہی سے منظوری اور فیکٹریوں کی رجسٹری لازمی ہوگی۔ دستور العمل کے احکام کی خلاف ورزی کی صورت میں، خواہ آجروں کی جانب سے ہو یا مزدوروں کی جانب سے، قید اور جرمانے کی سزا دی جاسکے گی۔

تجویز ہے کہ مزدور عورتوں کی زچگیوں کے متعلق سنہ ۱۳۴۹ ف میں جو قانون منظور کیا گیا تھا اس میں اس طرح ترمیم کی جائے کہ فیکٹریوں میں کام کرنے والی حاملہ عورتوں کو دس ہفتوں کی رخصت دی جائے گی (چار ہفتہ زچگی سے پہلے اور چھ ہفتہ زچگی کے بعد) اور انہیں رخصت کے درمیان میں روزآنہ ایک روپیہ الونس بھی دیا جائے گا موجودہ احکام کے تحت زچگی کے سلسلے میں سات ہفتوں کی رخصت دی جاتی ہے (تین ہفتہ زچگی کے پہلے اور چار ہفتہ زچگی کے بعد) اور اس دوران میں روزآنہ آٹھ آنے الونس دیا جاتا ہے۔

قانون اتحاد پیشہ وران بابتہ سنہ ۱۳۳۵ ف میں بھی ایک ترمیم زیر غور ہے جس کی رو سے اگر کسی ٹریڈ یونین کا صدر دفتر شہر میں واقع نہ ہو تو رجسٹرار کے فیصلے کی ناراضی سے ایسی عدالت دیوانی کے زاید ناظم کے پاس جس کی حدود اختیار میں یونین کا دفتر واقع ہو، مرافعہ پیش ہو سکے گا موجودہ قانون میں یہ سہولت نہیں دی گئی ہے۔

حکومت ہند کے انڈسٹریل ڈسپیوٹس ایکٹ بابتہ سنہ ۱۹۴۷ء اور انڈسٹریل امپلائمنٹ (اسٹینڈنگ آرڈر ایکٹ) کو نافذ الوقت قوانین کی جگہ دی جانے کی اس سلسلہ میں دساتیر العمل کے مسودے حکومت کے آگے پیش کرائے ہیں۔

انڈین مائنس ایکٹ کی طرز پر قانون معدنیات بابتہ سنہ ۱۳۲۱ ف میں ترمیم کی جا رہی ہے اور اس مسئلہ پر محکمہ لیبر کے ارباب اقتدار عملی توجہ کر رہے ہیں۔

ان ترمیموں اور نافذ الوقت دساتیر العمل اور قوانین کی تبدیلی کے ساتھ ہی ساتھ متعلقہ محکمہ حکومت ہند کے قوانین کی طرز پر مزدوروں کے لئے بعض مزید قوانین بھی نافذ کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ ریاست میں ایسا کوئی قانون اب تک نہیں بنا تھا۔

حکومت ہند کے مینیمم ویجس ایکٹ بابتہ سنہ ۱۹۴۸ء سے مماثل کم سے کم اجرتوں کے متعلق ایک دستور العمل مرتب کیا گیا ہے جو منظوری کے لئے حکومت کے آگے پیش کر دیا گیا ہے۔ اس دستور العمل کے نافذ کے بعد کم از کم اجرتوں کے تعین کے سلسلے میں مزدور و کارکنوں کی ایک دیرینہ شکایت دور ہو جائے گی حکومت ہند کے اسٹیٹ انشورنس ایکٹ سنہ ۱۹۴۸ء کو ایک دستور العمل کی شکل میں نافذ کرنے کی تجویز بھی محکمہ لیبر کے زیر غور ہے۔ صنعتی مزدوروں کے قرضوں کی ادائی اور آجرین کی ذمہ داریوں کے سلسلے میں دو مسودہ ہائے قانون حکومت کے زیر غور ہیں جو امپلائرس لائبلیٹی ایکٹ سنہ ۱۹۳۸ء اور ایڈجسٹمنٹ اینڈ لکویڈیشن آف انڈسٹریل ورکرس ڈیٹ ایکٹ سنہ ۱۹۳۶ء (سی۔ پی) کی طرز پر مرتب کئے گئے ہیں۔ ایک اور مسودہ دستور العمل بمبئی شاپس اینڈ اسٹابلشمنٹ ایکٹ سنہ ۱۹۴۸ء کی طرز پر حکومت کے آگے پیش کر دیا گیا ہے، اور اسی طرح کول مائنس پراویڈنٹ فنڈ اینڈ بونس اسکیمس ایکٹ سنہ ۱۹۴۸ء کے مماثل ایک نئے قانون کا نفاذ بھی زیر غور ہے۔

حکومت حیدرآباد نے یہ فیصلہ کرتے ہوئے کہ عام صورت حال تفصیلی تحقیقات کی متقاضی ہے، ایک ماہر کی صدارت میں تحقیقاتی کمیٹی قائم کی ہے جو اپنی تحقیقات کے بعد سفارشیں پیش کرے گی۔

اس کمیٹی نے اپنے تقرر کے چالیس دن کے اندر اندر ہی حیدرآباد اور سکندرآباد کی اہم فیکٹریوں کی تنقیح کر لی ہے اور مزدور و قائدین سے ملاقاتیں کر کے ان کے مسائل معلوم کر لئے ہیں اور ریاست کے دو کرناٹک اضلاع گلبرگہ اور رائچور کا دورہ بھی مکمل کر لیا ہے۔

ہند کی جمہوریت کے پہلے صدر کا انتخاب

نئی دہلی، ۲۰ اگست۔ اے پی آئی کی اطلاعات سے پتہ چلا ہے کہ دستور ساز اسمبلی ہندوستانی دستور کی تیسری خواندگی کے بعد اپنا اجلاس برخواست کرنے سے قبل جمہوریہ ہند کے پہلے صدر کا انتخاب کرے گی اور یہ تیسری خواندگی اکتوبر کے اواخر یا نومبر کے اوائل میں ختم ہو جائے گی جمہوریہ کے یہ صدر موجودہ دستور ساز اسمبلی کی تحلیل اور حق رائے دہی بالغان کی اساس پر ایک نئی پارلیمان کے تقرر تک اپنے فرائض انجام دیں گے اندازہ لگایا گیا ہے کہ یہ عارضی مدت دو یا تین سال پر مشتمل ہوگی۔ توقع ہے کہ گورنر جنرل کا عہدہ ۲۶ جنوری سنہ ۱۹۵۰ء سے برخواست ہو جائے گا جبکہ ہندوستان کی جمہوریت کا افتتاح عمل میں آئے گا اسی عارضی صدر اپنی خدمت کا جائزہ لیں گے۔ عارضی صدارت کے لئے اب تک صرف دو نام ڈاکٹر راجندر پرشاد اور مسٹر سی راج گوپال چاری لئے گئے ہیں یہ امر ابھی قطعی طور پر معلوم نہ ہو سکا کہ پارلیمان اپنے موسم خزاں کا اجلاس کب سے شروع کرے گی پنڈت نہرو تقریباً ماہ اکتوبر کو امریکہ روانہ ہوں گے اور وہ وسط نومبر تک واپس دہلی نہ پہنچ سکیں گے۔

اشتہار

حاضری مرافعہ علیہ مرتبہ عدالت دیوانی ضلع ناندیڑ واقع ۱۱ر۹ر۵۵ف نمبر مقدمہ (۵۳/۲/۵۵ف)

باجلاس اول

مرافع راجندر۔ بنام۔ مرافعہ علیہ۔ رشید بن احمد

دعوئی۔ استقرار حق پٹہ۔

بنام رشید بن احمد قوم عرب عمر ۲۲ سال پیشہ تجارت ساکن قصبہ کہیر متعلقہ قندھار شریف۔

ہرگاہ مقدمہ مندر تمہارے نام متعدد مرتبہ سمن جاری ہوئے لیکن تم پر سمن کی تعمیل نہیں ہوئی۔ رپورٹ سے معلوم ہوا کہ تم دو سال سے مقام مسکونہ پر موجود نہیں ہیں جس کی وجہ تمہاری ذات پر سمن کی تعمیل نہیں ہو رہی ہے لہذا تم کو ذریعہ ہذا حکم ہوتا ہے کہ تم بتاریخ ۱۱ر آبان ۱۳۵۸ف اصالتاً یا وکالتاً حاضر عدالت ہو کر پیروی و جواب دہی مقدمہ کرو بصورت غیر حاضری کارروائی حسب ضابطہ ہوگی فقط

مہر دستخط

سر رشتہ دار عدالت

قومی زبان کا مسئلہ

(بقیہ سلسلہ صفحہ اول)

ترقی کی کہ آج وہ دنیا کے اعلیٰ ترقی یافتہ زبانوں کے دوش بدوش کھڑی ہو سکتی ہے۔ اس زبان کو مٹانا اور اس کی جگہ پر شروع سے ایک مشترک زبان کی تخلیق کے لئے کوشش کرنا ایک ایسی مصنوعی کوشش ہوگی جو کبھی بار آور نہ ہو سکے گی۔

۔۔۔ جاندی کی تاریخوں کے کلنڈر (جو عربی رسم الخط میں ہوتے ہیں) کتابچے۔ اشتہارات وغیرہ شامل ہیں حال ہی [illegible] میں کی ایک کتاب "دین السلام" شایع ہو چکا ہے جو سویٹ یونین کے مسلمانوں میں بہت مقبول ہے۔

حج کے لئے باقاعدہ انتظامات ہوتے ہیں اور مسلمان مکہ معظمہ اور کربلا جایا کرتے ہیں مسلم ممالک ایران شام لبنان اور عراق کے مسلمان لیڈروں سے ریسٹ یونین کے مسلمان لیڈر خط و کتابت کرتے اور ذاتی تعلقات قائم رکھتے ہیں۔

اعلان

چونکہ اجناس کے راتب کارڈ اس کی مدت ۸ر آبان ۱۳۵۸ف کو ختم ہو رہی ہے اس لئے ذریعہ ہذا باشندگان رقبہ راتب شدہ شہر و رنگلی کو اطلاع دی جاتی ہے کہ اپنے کارڈ بغرض تجدید ان دوکانات راتب بندی پر جہاں ان کی رجسٹری عمل میں لائی گئی ہے میں ابتداء ۲ر آبان لغایت ۸ر آبان ۱۳۵۸ف داخل کر کے تجدید شدہ کارڈ دوکاندار سے حاصل کر لئے جائیں۔ چونکہ ۹ر آبان ۱۳۵۸ف یا اس کے بعد غیر تجدید شدہ کارڈ پر اجناس کی اجرائی ممکن نہ ہوگی اس لئے باشندگان شہر مذکور سے توقع کی جاتی ہے کہ وہ اندرون مدت مقررہ اپنے کارڈ کی تجدید کا حسب صراحت صدر انتظام فرمائیں۔ فقط۔ منجانب ناظم راتب بندی۔

اعلان

بسلسلہ سابقہ پریس نوٹ مورخہ ۹ر مہر ۱۳۵۸ف ذریعہ ہذا ہدایت دیجاتی ہے کہ تجدید اجازت نامہ کے لئے مزید ترمیع ۸ر آبان ۱۳۵۸ف (۸ ستمبر ۱۹۴۹ء) تک دی جا رہی ہے۔ لہذا اپنے سابقہ اجازت نامہ جات دفتر نظامت راتب بندی واقع جام باغ پر پیش کر دیں۔ ورنہ غیر تجدید شدہ اجازت نامہ جات منسوخ متصور ہوں گے۔ منجانب ناظم راتب بندی۔

نوٹس

چونکہ کھچڑی چاول کے اسٹاک کی دستیابی کی حالت غیر اطمینان بخش ہے اس لئے کھچڑی اور موٹے چاول کے ہمراہ ابلا ہوا چاول اجراء کرنے کا تصفیہ کیا گیا ہے۔ راتب کارڈ گیرندگان بلدہ و سکندرآباد روزآنہ دو چھٹانک چاول ہر بالغ حاصل کر سکتا ہے جس میں سے ایک چھٹانک ابلا چاول ایک چھٹانک موٹا یا کھچڑی چاول۔

حسب بالا اجرائی بتاریخ ۲ر آبان ۱۳۵۸ف (۲/۹/۴۹ء) سے عمل میں آسکے گی۔ کھچڑی چاول ادارہ جات ہوٹل۔ میس۔ کیانٹن کو اجراء نہیں کیا جائے گا۔

یہ ادارہ جات ہفتہ واری چاول کا کوٹہ موٹے چاول کے اسٹاک اور ابلا چاول میں سے مساوی مقدار میں حاصل کر سکتے ہیں صرف اقامت خانہ جات اور ہسپتال کے لئے حسب صراحت بالا کھچڑی چاول اجرا کیا جائے گا فقط ناظم راتب بندی۔

وزیر پناہ گزین کا صحافتی بیان (بقیہ سلسلہ صفحہ ۶) اور حکومت ہند بغیر علم و اطلاع چوری سے کوئی کام نہیں کرتی بلکہ وہ علی الاعلان اطلاع دے کر احکام نافذ کرتی ہے۔ تاکہ ساری دنیا اس کے عزائم سے واقف ہو جائے۔ انھوں نے افسوس کا اظہار کیا کہ حکومت ہند کی پالیسی کے برخلاف پاکستان میں ہندوؤں کی جائدادوں پر بغیر علم و اطلاع چوری چھپے قبضہ کیا جا کر ان کو بے دخل کیا جا رہا ہے۔

سوویٹ روس میں مسلمان

(بقیہ سلسلہ صفحہ ۵)

جمعیت کے نائب صدر ایک سنی بزرگ ۔۔۔ مفتی ابراہیم آفندی ہیں۔ ۔۔۔ مسجدوں میں باقاعدہ نمازیں ہوتی ہیں۔ اور اولیاء بزرگ کے مزار کی زیارت کے لئے باقاعدہ لوگ آتے ہیں۔ مسلمان مذہبی پیشواؤں قاریوں وغیرہ کی تعلیم بخارہ کے مدرسہ میں مسلم اعلیٰ رسوں کے نصاب کے موجب ہوتی ہے۔

مذہبی مطبوعات میں ایک ماہنامہ ہے جو تمام بڑی بڑی قومیتوں کی زبانوں میں شایع ہوتا ہے۔ ۲۲۔۔۔ [illegible]

شیخ الاسلام علی زادہ آخوند آفندی ایران کا دورہ ۔۔۔ مفتی احسان بابا خان عبدالمجید اوکی اور عبدالرحمٰن رسول الیف ۔۔۔ [illegible] ۔۔۔ اسلامی جمعیتوں سے دیگر ممالک کے مذاہب کے نمائندے ملاقات کرنے کے لئے آتے ہیں۔

مطبوعہ [illegible] دفتر "مملکت" [illegible] حیدرآباد سے شائع ہوا